ڈاکٹر عرفان شہزاد

حفظ قرآن کی رسم پر نظر ثانی کی ضرورت (۲)

مفتی منیب الرحمٰن صاحب کے جواب میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ماہنامہ ''اشراق''جون ۲۰۱۹ء کے شمارے میں میرا مضمون ''قرآن مجید کے حفظ کی رسم پر نظر ثانی کی ضرورت'' شائع ہوا جس پر ملک کے متعدد اہل علم نے التفات کرتے ہوئے اپنے نکات اعتراضات پیش کیے جن میں مفتی منیب الرحمٰن صاحب کا نقد، بعنوان ''کیا حفظ قرآن بدعت ہے؟'' ان کے فیس بک کے آفیشل پیج پر شائع ہوا، جو خاصا مفصل ہے جس میں دیگر معترضین کے چند قابل اعتنا نکات بھی آ گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مضمون کا جواب دیا جائے جو دیگر ناقدین کے اعتراضات کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

ان تمام تنقیدی مضامین میں، البتہ میرے اصل مضمون کی بنائے استدلال سے کہیں تعرض نہیں کیا۔ نیز ایسے بہت سے اعتراضات وارد کیے گئے جن کے جواب مضمون میں یا تو پہلے سے موجود تھے یا وہ در حقیقت میرے مدعا پر وارد نہیں ہوتے تھے۔ معترضین نے میری نیت اور محرکات کو بھی طے کرنے کی کوشش کی جس کا علم خدا، عالم الغیب نے فقط اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور میں اسی کو جواب دہ ہوں۔

معترضین کے اعتراضات کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں کیا جا سکتا ہے:

۱۔ حفظ قرآن مجید امت مسلمہ کا ایک متواتر اور اجماعی عمل ہے، جس کا انکار اجماع و تواتر کا انکار ہے۔

۲۔ حفظ قرآن مجید کی تلقین متعدد احادیث میں آئی ہے۔

۳۔ بلا فہم تلاوت قرآن مجید بھی مطلوب ہے جس کی تلقین قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے۔

۴۔ بلا فہم تلاوت و حفظ قرآن کی حوصلہ شکنی کا مطلب قرآن مجید کے عربی متن سے بے اعتنائی کی فکر کا شاخسانہ ہے جس کے مطابق محض ترجمہ یا مفہوم قرآن بھی کافی ہے۔

۵۔ حفاظت قرآن مجید کے جدید ذرائع کے باوجود حفظ قرآن مجید کی اہمیت قائم رہتی ہے، کیونکہ دیگر ذرائع کی نسبت حفظ قرآن زیادہ محفوظ ذریعہ ہے۔

ان بنیادی اعتراضات کے علاوہ مفتی صاحب نے راقم سے چند سوالات بھی کیے ہیں، جن کے جوابات دوران تحریر میں دیے جائیں گے۔ پہلے ان اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے۔ سب سے آخر میں مفتی صاحب کے مضمون کے سب سے افسوس ناک پہلو پر نقد کیا جائے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حفظ قرآن پر اپنے مضمون کی بناے استدلال کی ایک بار وضاحت کر دی جائے۔

حفظ قرآن مجید ایک متواتر عمل ہے۔ اس مقدمہ کو تسلیم کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ اس متواتر عمل کی دینی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ بذات خود مطلوب عمل ہے یا اس کی حیثیت انتظامی نوعیت کی تھی؟ راقم نے اپنے مضمون میں واضح کیا تھا کہ حفظ قرآن مجید کی نوعیت ایک انتظامی بندوبست کی تھی۔ عرب کی غالب ترین اکثریت حروف ناآشنا تھی۔ انھیں قرآن مجید لکھ کر بھی دے دیا جاتا تو وہ اسے پڑھ نہیں سکتے تھے۔ ان کے لیے قرآن مجید پڑھنے اور مراجعت کرنے کی یہی ایک صورت تھی کہ قرآن مجید کو اپنی عادت کے مطابق زبانی یاد کر لیں (یوں یہ عمل متواتر بنا) جیسے تحریر و کتابت سے عدم واقفیت کی بنا پر وہ اپنی قومی روایات، خطبا اور شعرا کے کلام اور اپنے نسب نامے وغیرہ زبانی یاد کر لینے کے عادی تھے۔ اسی بنا پر یہ بھی عرض کیا تھا کہ حفظ کے اسی طریقہ سے قرآن مجید کی حفاظت کا کام بھی لیا گیا تھا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.almawrid.org

بناے استدلال کا دوسرا نکتہ یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت ہو یا حفظ، عربوں کے لیے اسے بلا فہم کر لینا متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید اور احادیث میں تلاوت اور حفظ کی ترغیبات اسی مفہوم سے متعلق ہیں۔ ان کو بلا فہم تلاوت و حفظ کے تصور کے ساتھ عجمی اقوام نے جوڑا ہے جو عہد رسالت اور نزول قرآن کے بعد اسلام میں داخل ہوئیں۔ اسی بنا پر عرض کیا تھا کہ عہد رسالت کے حفظ قرآن کے اس ''بافہم'' تصور میں ''بلا فہم'' حفظ و تلاوت کے تصور کا اضافہ بدعت ہے۔ زور ''بلا فہم حفظ'' پر تھا، مگر مفتی صاحب اور دیگر حضرات نے اس واضح نکتے کو نظر انداز کر کے یہ باور کیا کہ میں حفظ کے پورے عمل کو بدعت قرار دے رہا ہوں۔

میرے مضمون کی بناے استدلال واضح ہو جانے کے بعد اجماع و تواتر کے انکار کا الزام خود رفع ہو جاتا ہے۔

اس عمل کے متواتر ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی حیثیت اور نوعیت واضح کی گئی تھی کہ یہ انتظامی نوعیت کا بندوبست تھا کہ حالات کا یہی تقاضا تھا۔ اس میں بلا فہم حفظ کا تصور عجمی اقوام کے مسلمان ہونے کے بعد پیدا ہوا اور اس بنا پر یہ تصور دین میں اضافہ اور بدعت ہے۔

میرے استدلال کو رد کرنے کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ یہ بتایا جاتا کہ حفظ قرآن انتظامی مسئلہ نہ تھا، بلکہ یہ مقصود بالذات ہے۔ نیز یہ بتایا جاتا کہ بلا فہم تلاوت و حفظ قرآن بھی مقصود ہے۔ اس کے لیے دین سے استدلال لایا جائے، نہ کہ عجمی مسلمانوں میں رائج ہو جانے والے تصور اور رسم سے استناد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ملحوظ رہے کہ وہ تواتر معتبر نہیں جس کا استناد عہد رسالت سے نہ دکھایا جا سکے۔ مسلمانوں میں رائج ہو جانے والے تصورات از خود مستند نہیں ہو جاتے۔ یہ اتھارٹی اگر امت کو منتقل کر دی جائے تو عوام کی اکثریت میں دین کے نام پر پائے جانے والے غیر دینی تصورات پر نکیر کا حق ہی سرے سے ساقط قرار پائے گا اور ہر وہ تصور اور رسم جو امت میں رائج ہے، اسے سند جواز عطا کرنا پڑے گا۔ یہ حق نہ آج کے مسلم سماج کو حاصل ہے نہ ختم نبوت کے بعد کسی بھی گذشتہ دور کو کہ اس میں رائج ہو جانے والے کسی بزعم خود دینی تصور کو دینی استناد کا حامل سمجھ لیا جائے۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ صدیوں سے کیا ہوتا رہا، بلکہ عدم استناد کی صورت میں پوچھا جائے گا کہ کیوں ہوتا رہا۔

www.javedahmedghamidi.org
www.al-mawrid.org

کسی عمل کا محض متواتر ہونا اسے دینی عمل نہیں بنا دیتا۔ اس کا دین ہونا دلیل کا محتاج ہے جسے دین سے مہیا کرنا ضروری ہے۔ متواتر تو قرآن مجید کی ہاتھ سے کتابت کا عمل بھی ہے۔ کیا چھاپہ خانہ اور کمپوزنگ کے جدید طریقوں کی ایجاد کے بعد قرآن مجید کی ہاتھ سے کتابت کرنے پر اصرار کیا جائے گا؟ کوئی، البتہ اپنے ذوق اور شوق کی بنا پر ایسا کرنا چاہے تو الگ معاملہ ہے، مگر کیا دینی حیثیت سے اس پر اصرار کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ یہی معاملہ حفظ کا ہے۔ یادش بخیر کہ ایک زمانہ، البتہ ایسا گزرا ہے کہ جب چھاپہ خانہ بھی حرام قرار دیا گیا تھا اور اس کی ایجاد کے ایک ڈیڑھ صدی بعد تک علماے کرام نے اس کے ذریعے سے قرآن مجید چھاپنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

اب یہاں مفتی صاحب کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب پوچھتے ہیں:

> ''دنیا میں اور بھی مذاہب ہیں، ان کی مذہبی کتب بھی ہیں یا مختلف علوم و فنون کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، کیا اتنی ضخامت کی کوئی ایک کتاب بھی ایسی ہے، جس کو دنیا میں موجود قرآن کریم کے حفاظ کرام کی کل تعداد کے عشر عشیر، یعنی ایک فی صد یا ایک فی ہزار نے بھی از اول تا آخر لفظ بہ لفظ یاد کر رکھا ہو''۔

عرض ہے کہ کسی عمل یا تصور کا دینی استناد غیر مسلموں کے طرز عمل سے اخذ نہیں کیا جاتا۔ غیر مسلموں کے ہاں اپنی مقدس کتب کے حفظ کی روایت ہے یا نہیں، یہ ان کا مسئلہ ہے۔ انھی سے پوچھا جائے۔ اس لیے یہ سوال بے محل ہے۔ البتہ دنیا بھر کے مذاہب کے پیروکاروں میں اپنی الہامی یا مقدس کتب کو زبانی یاد کرنے کی روایت، خصوصاً جدید ذرائع کتابت و حفاظت ایجاد ہونے کے بعد نہیں رہی ہے۔ مسلمانوں میں یہ روایت موجود رہی، اس لیے ان میں حفاظ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود تقریباً ہر مذہب کے پیروکاروں کے ہاں چند ایسے افراد مل جاتے ہیں جو اپنی کتابوں کے حافظ ہیں۔ لیکن یہ ان کے ہاں سراسر ذوق کا معاملہ ہے اور ذوق کے معاملے میں جیسا کہ پہلے عرض کیا کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں کہ ایک شخص شعور کی عمر کو پہنچ کر اپنے ذوق اور شوق سے قرآن مجید حفظ کرنے کا فیصلہ کرے۔ سوال مگر یہ ہے کہ قرآن مجید سے والہانہ عقیدت بڑی عمر کے لوگوں کو عموماً حفظ قرآن کی طرف کیوں متوجہ نہیں کرتی؟ کیوں یہ کم سن بچوں سے حفظ کرایا جاتا ہے جنھیں اس کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''آپ (عرفان شہزاد) نے لکھا ہے: ''مکاتب تعلیم القرآن میں تشدد، بچوں کی گھر سے دوری، جنسی ہراسانی وغیرہ بچے کی نفسیات میں غیر صحت مندرویہ تشکیل دیتے ہیں۔'' ہمیں تسلیم ہے اور ہماری آرزو ہے کہ اللہ کرے کہ ایک واقعہ بھی ایسا رونما نہ ہو، لیکن خال خال، یعنی لاکھوں میں کوئی ایک واقعہ بدقسمتی سے رونما ہو جائے تو اس طرح کے شاذ و نادر واقعات اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی رونما ہوتے ہیں، پاکستان کے تمام شہروں، بالخصوص کراچی، لاہور، اسلام آباد، ایبٹ آباد، مری اور ملک کے دیگر علاقوں میں انگلش میڈیم اسکولوں میں طلبہ وطالبات اقامت گاہوں (Hostels) میں قیام پذیر ہوتے ہیں، کیا آپ نے ان شاذ و نادر واقعات کے سبب ان کی بندش کی بھی کوئی زبانی یا قلمی تحریک بپا کی ہے یا آپ کا ہدف صرف حفظ قرآن کریم ہے۔''

عرض ہے کہ مضمون کا موضوع چونکہ حفظ قرآن مجید اور اس کے اثرات سے متعلق تھا، اس لیے اس میں عصری اداروں سے تقابل کا کوئی مدعا پیش نظر نہیں تھا۔ کسی بھی آرٹیکل، کتاب یا لیکچر میں اس بات کا مطالبہ جو اس کا موضوع نہ ہو، زائد کا مطالبہ ہے۔ آپ نے پوچھا ہے تو عرض کیے دیتا ہوں کہ سکول، کالج اور یونیورسٹیوں کے مسائل پر بھی یہ خاک سار لکھ چکا ہے۔ البتہ ان مضامین کے قارئین کبھی یہ مطالبہ کرتے نہیں پائے گئے کہ ان اداروں کے مسائل کے ذکر کے ساتھ مدارس کے مسائل کا ذکر بھی کیا جائے۔

مدارس کے دفاع کا یہ طریقہ جو مفتی صاحب نے اختیار کیا، درحقیقت ایک برائی کو ایک دوسری برائی کے ذکر سے وجہ جواز عطا کرنے کا عذر پیش کرنا ہے۔ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ ایک جگہ پائی جانے والی برائی اس لیے قابل قبول یا قابل تحمل نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک دوسری جگہ بھی پائی جاتی ہے اور جب تک وہاں سے ختم نہ ہو، حرف اعتراض نہ اٹھایا جائے۔ مفتی صاحب کو معلوم ہے کہ دو غلط مل کر ایک درست نہیں بنا سکتے۔ برائی جہاں بھی پائی جائے گی، برائی ہی ہو گی اور قابل مذمت ہو گی۔ دوسری بات یہ کہ جنسی ہراسانی کے واقعات کو شاذ و نادر قرار دینا تجاہل عارفانہ کے سوا کچھ نہیں۔ اہل مدارس حقیقت حال سے واقف ہیں، مگر اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر اس بارے میں متفقہ طور پر خاموش رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

مفتی صاحب نے میرے ایک بیان سے عجیب استنباط فرمایا ہے۔ میں نے لکھا تھا:

> ''قرآن مجید کے حفظ سے شعبدہ بازی کا کام بھی بعض حلقوں میں لیا جاتا ہے، طلبہ سے متن قرآن کے ساتھ صفحہ نمبر، بلکہ آیت نمبر تک یاد کرائے جاتے ہیں، پھر بین الاقوامی مقابلوں میں یادداشت کے کارنامے پیش کر کے داد تحسین وصول کرتے ہیں''۔

اس پر مفتی صاحب حیران کن نتیجہ نکالتے ہیں:

> ''اس سے معلوم ہوا کہ آج کل خطابت یا تحریر میں حوالہ دینے کے لیے سورت کا نام، آیت نمبر، حدیث کی کتاب اور رقم الحدیث کا جو رواج ہے، یہ اُن کے نزدیک شعبدہ بازی ہے، کتب احادیث کی ترقیم (Numbering) تو جدید دور کا شعار ہے، اس سے تحقیق کرنے والوں کے لیے آسانی ہوتی ہے۔''

مجھے گمان ہے کہ مفتی صاحب کو موقع ملتا تو یہ اعتراض وہ یقیناً قلم زد فرما دیتے۔ حفظ قرآن میں صفحہ نمبر، آیت نمبر وغیرہ کے لیے یادداشت کا مظاہرہ اور تحقیق و تصنیف میں حوالہ دینے کے عمل کو ایک بنا کر مفتی صاحب نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، اسے منطقی مغالطے کے سوا کچھ کہنا مشکل ہے۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کے لیے اس اعتراض کو بے محل ثابت کرنے کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:

> ''سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی عالم عرب کے عام اہل زبان نزول وحی کے چودہ سو ترپن سال بعد بھی باقاعدہ تعلیم کے بغیر قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھ سکتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو عالم عرب میں علوم عربیہ واسلامیہ کی درس گاہوں کی کوئی ضرورت نہ رہتی۔ کیا اُن تمام ممالک کے لوگ، جن کی مادری زبان انگریزی ہے، وہ باقاعدہ تعلیم حاصل کیے بغیر جدید سائنسی، طبّی، فنی، ادبی و سماجی اور معاشی علوم کو جان سکتے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مغرب میں ہر سطح کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا۔‘‘

اس استدلال پر تعجب کے ساتھ عرض ہے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب تو ایک اُمی (حروف ناآشنا) قوم تھی۔ ایک طرف تو اس کے مخاطب ایسے افراد تھے جو سخت معاندین تھے، کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے اور دوسری طرف وہ صحرا کی سادہ زندگی میں علم و فلسفہ سے تہی تھے۔ کیا انھیں قرآن کے پیغام اور انذار کو سمجھنے کے لیے کسی تخصص کی ضرورت تھی؟ اگر وہ اس کے مخاطب بننے کی اہلیت رکھتے تھے تو آج کے عامی اور تعلیم یافتہ لوگ اس کے پیغام اور معانی کو سمجھنے سے کیسے قاصر ہو سکتے ہیں، جب کہ یہ لوگ معاندین بھی نہیں، قرآن مجید کو مانتے ہیں؟ عالم اسلام کے نام ور عالم محمد اسد لکھتے ہیں کہ انھوں نے برسوں عرب کے صحرائی بدوؤں کے ساتھ بسر کیے تاکہ ان سے زبان سیکھ کر قرآن مجید سمجھ سکیں۔ یہ حادثہ کب پیش آیا کہ مدارس کی خصوصی تعلیم کے بغیر عرب قرآن مجید کو سمجھنے سے قاصر ہو گئے ہیں؟ قرآن مجید کی زبان سنسکرت کی طرح کوئی مردہ زبان نہیں جس کے ماہر چند اونچی ذات کے برہمن ہوں اور وہ ویدوں کے فہم پر اجارہ دار بن کر بیٹھ جائیں۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

مفتی صاحب کی بات سے یہاں جو مغالطہ پیدا ہوا ہے، اس کی حقیقت سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن فہمی کے کئی درجات ہیں۔ قرآن مجید کے فہم کا ایک درجہ وہ ہے جس کا مخاطب ہر عامی و خاص ہے۔ یہ تصحیح عقائد، تزکیۂ نفس اور فکر آخرت کے موضوعات ہیں۔ ان بیانات کو سمجھنے کے لیے کسی علم کا سند یافتہ ہونے کی ضرورت نہیں، فقط گوش نصیحت نیوش چاہیے۔ قرآن مجید کا زیادہ تر حصہ انھی موضوعات پر مشتمل ہے۔

قرآن فہمی کا ایک دوسرا درجہ قرآن مجید کا علمی و فنی مطالعہ ہے۔ یہ تخصص کا دائرہ ہے اور اس کے لیے اعلیٰ علمی استعداد درکار ہے۔ مفتی صاحب تخصص کے اس دائرے کو لے کر قرآن مجید کی عام فہمی کی نفی کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

سب سے عجیب بات جو مفتی صاحب نے فرمائی، وہ یہ ہے:

> ’’مقصد نزول قرآن کو صرف معانی و مطالب اور احکام کو جاننے تک محدود رکھا جائے، تو یہ ایک قانون کی کتاب بن کر رہ جائے گی اور اہل ایمان کے دلوں میں جو اس کی تقدیس و حرمت اور تعظیم ہے، اُس کے نقش ماند پڑ جائیں گے‘‘۔

بصد حیرت میں یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا قرآن مجید میں صرف قانون کا بیان ہے؟ کیا مفتی صاحب اسے تورات کی طرح سمجھتے ہیں جس میں صرف قانون بیان ہوا ہے؟ کیا مفتی صاحب جیسے عالم کو معلوم نہیں کہ قرآن مجید میں قانون کا بیان تو بہت تھوڑے حصے پر مشتمل ہے، بیش تر موضوعات تو تذکیر سے متعلق

ہیں اور یہی اس کا اصل ہیں۔ اس تذکیر کی تاثیر ہی تو تھی جس نے عرب کے مشرکین کی کایا پلٹ دی تھی جس نے ہر دور میں لوگوں کو متاثر کیا۔ مزید حیرت مفتی صاحب کے اس بیان پر ہے کہ قرآن کے مطالب سمجھنے سے اس کی تعظیم کا نقش ماند پڑ جائے گا!! بصد معذرت یہ براہمنوں والی سوچ ہے جو ویدوں کی ایسی عظمت دلوں میں پیدا کرتے تھے کہ ان کو ہاتھ لگانا بھی عام افراد کے لیے گستاخی قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ایسا کیا لکھا ہے جس کو سمجھنے سے اس کی عظمت کم ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ)۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کا نقش درحقیقت دلوں میں اس وقت صحیح طور پر بیٹھتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ خدائے لم یزل و لا یزال نے اپنے لافانی کلام میں کیا کیا معجز بیانیاں فرمائی ہیں، اور کس کس طرح سے اپنے بندوں کو دنیا اور آخرت کے خسارے سے بچنے کی نصیحت اور طریقے بتائے ہیں۔

میں مفتی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ایک اور حدیث کی طرف میری توجہ مبذول کرائی جسے انھوں نے پیش تو اپنے موقف کے حق میں کیا ہے، لیکن اس سے درحقیقت میرے موقف کی حمایت ہوتی ہے۔ مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

> ''حذیفہ بن یمان بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو اہل عرب کے لہجے اور آوازوں میں پڑھو اور یہود و نصاریٰ اور فاسقوں کے لہجے میں نہ پڑھو، کیونکہ میرے بعد عنقریب ایسی قوم آئے گی جو گویّوں، راہبوں اور نوحہ خوانوں کے طرز پر کلمات کو بار بار لوٹا کر پڑھیں گے، قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، اُن کے دلوں کو آزمایش میں ڈال دیا ہے اور جو لوگ انھیں سُن کر اُن کی تحسین کرتے ہیں، اُن کے دلوں کو بھی آزمایش میں ڈال دیا گیا ہے (المعجم الاوسط، رقم ۷۲۲۳)''۔ یعنی قرآن کریم کی تلاوت خشوع و خضوع سے کرنی چاہیے، اس سے روح کو قرار و سکون ملنا چاہیے، اسے تقدیس و حرمت سے عاری لذت سماع کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو باتوں کی مذمت فرما رہے ہیں: ایک یہ کہ قرآن کو گویوں، راہبوں اور نوحہ خوانوں کی طرز پر نہ پڑھا جائے۔ دوسرے یہ کہ ایسے لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ حلق سے نیچے اترنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ ان کے دلوں میں نہیں اترے گا۔ وہ اس کے انذار اور تذکیر سے لاپروا ہوں گے۔ محض اس کے صوتی آہنگ سے حظ حاصل کرنا ان کا مقصود ہوگا۔ اب بلا فہم حفظ و تلاوت میں کیا ہوتا ہے؟ اس میں گویوں وغیرہ کے طرز پر تو نہیں پڑھا جاتا، مگر کیا قرآن مجید اس طرح بھی حلق سے نیچے اترتا ہے؟ کیا قرآن مجید کے صوتی آہنگ سے لطف اندوزی ہی قرآن کا مقصود ہے؟ کیا یہ بامعنی کلام کی بے قدری

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نہیں ہے؟

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''عرفان شہزاد صاحب کی فکر کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کسی کو قرآن کے معانی اور مطالب نہیں آتے تو محض تلاوت بے سود ہے، حالاں کہ کروڑوں کی تعداد میں مسلمان معانی کو نہیں جانتے، لیکن نماز میں تلاوت کرنے کے وہ بھی یکساں طور پر پابند ہیں۔''

اس پر عرض ہے کہ تلاوت، تفہیم کلام کا زینہ ہے۔ عام مسلمانوں کو کس نے روک رکھا ہے کہ وہ نماز کے اذکار اور اس میں پڑھی جانے والی کم از کم چند مخصوص سورتوں کے معنی و مفہوم سے آگاہی حاصل کر لیں تاکہ انھیں معلوم تو ہو کہ ان کا پروردگار ان سے کیا کہہ رہا ہے۔ اگر غور کیجیے تو انھیں اس تھوڑے سے فہم کو حاصل کرنے سے بھی اسی سوچ نے روک رکھا ہے کہ یہ کوئی قابل لحاظ ضرورت نہیں کہ معلوم ہو کہ ان کا پروردگار ان سے کن الفاظ میں کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس پر یہی کہنا بنتا ہے کہ:

وما قدرالله حق قدره۔

معلوم نہیں مفتی صاحب تلاوت اور حسن قراءت سے بلا فہم تلاوت کیسے مراد لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''احادیث مبارکہ میں ہے: (۱) حضرت براء بن عازب بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن کو اپنی (شیریں) آوازوں سے مزیّن کرو (ابوداؤد، رقم ۱۴۶۸)۔ نیز بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اپنی آوازوں سے قرآن میں حُسن پیدا کرو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے (سنن دارمی، رقم ۳۵۴۴)۔ ظاہر ہے کہ صوت حَسَن کا تعلق تلاوت سے ہے، قرآن کریم کے معانی و مطالب کو سمجھنے کا مدار علم، فہم اور عقل پر ہے، اس کا حُسن صوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

مکرر عرض ہے کہ عربوں کے لیے تو یہ ممکن نہ تھا کہ جس کلام کے معنی و مفہوم کو وہ سمجھتے ہیں، اسے بلا فہم پڑھ اور سن سکیں۔ حسن صوت سے ایک بامعنی کلام کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے ہم اپنی زبان میں حمد و نعت وغیرہ لے اور دھن کے ساتھ سنتے اور پڑھتے ہیں تو معنی و مفہوم کی تاثیر میں اضافہ محسوس کرتے ہیں۔ کیا اس صورت میں معنی اور مفہوم معطل ہو جاتے ہیں؟ مذکورہ احادیث میں یہی تو فرمایا گیا ہے کہ قرآن کو خوب صورت انداز اور آواز میں پڑھا جائے۔ اس میں بلا فہم کا پڑھنا اور سننا کیسے شامل ہو گیا؟ یہ اسی عجمی سوچ کا نتیجہ ہے جو بعد میں آ شامل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے یہ نتائج پیدا کر لیتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مفتی صاحب لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا انتظام اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہے، فرمایا: "بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (الحجر ۱۵: ۹)"۔ ظاہر ہے عالم اسباب میں حفاظت قرآن کریم کے دو ذرائع ہیں: تحریری صورت میں محفوظ کرنا یا ذہن میں محفوظ کرنا، آج کل آڈیو وڈیو ریکارڈنگ بھی اس کا ایک ذریعہ ہے، لیکن یہ ظاہری چیزیں کسی حادثے یا آفت کے نتیجے میں امکانی طور پر تلف ہو سکتی ہیں، لیکن ذہنوں میں جو امانت محفوظ ہے، وہ تلف نہیں ہوتی۔"

کیا یہ محض غیر حقیقی خوش عقیدگی ہی نہیں ہے کہ ذہنوں میں موجود قرآن تلف نہیں ہوتا؟ کیا حفاظ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یادداشت میں محفوظ ذخیرہ سب سے کم قابل اعتماد چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز تراویح میں ہر حافظ کے ساتھ سامع مقرر کیا جاتا ہے جو اسے اس کی غلطیوں پر متنبہ کرتا ہے۔ کیا ہم نہیں جانتے کہ مسلسل دہرائی نہ کی جائے تو قرآن بھول جاتا ہے؟ وہ تمام حفاظ جو تراویح میں قرآن مجید نہیں سناتے یا انھیں قرآن مجید سنانے کا کوئی اور فورم دستیاب نہیں ہوتا، ان کا حفظ کچا ہوتا ہے۔ غالب اکثریت قرآن مجید بڑی عمر میں پہنچ کر بھول جاتے ہیں۔ اگر وہ روایت درست ہے جس میں جنگ یمامہ میں حفاظ کی کثیر تعداد کی شہادت کی بنا پر قرآن کی سرکاری سطح پر کتابت اور حفاظت کا خیال حضرت عمر کو دامن گیر ہوا تھا، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ حفظ کا یہ ذریعہ بھی دیگر انسانی ذرائع کی طرح ہی حادثات سے متاثر ہو سکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

البتہ یہ درست ہے کہ عہد رسالت میں خدا کے خاص فضل و کرم سے مسلمانوں کے اجتماعی حفظ کے ذریعے سے قرآن مجید کی حفاظت کا اہتمام کامیابی سے ہوا، مگر اب نہ عرب جیسے حافظے ہیں کہ اُمی ہونے کی بنا پر زیادہ فعال تھے اور نہ اس بندوبست کی اب کوئی ضرورت ہے۔ کتابت و کمپوزنگ کے جدید ذرائع حفظ قرآن کی ضرورت سے بے نیاز کر چکے ہیں۔ تاہم، کوئی شخص شعور کی عمر کو پہنچ کر ذاتی ذوق کی بنا پر قرآن مجید زبانی حفظ کرنا چاہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں :

"اللہ تعالیٰ نے البقرہ ۲: ۱۲۹ میں دعاے ابراہیمی کی صورت میں، آل عمران ۳: ۱۶۴ میں بطور احسان اور الجمعہ ۶۲: ۲ میں حقیقت واقعی یا مظہر شان باری تعالیٰ کی صورت میں فرائض نبوت کو بیان فرمایا اور اس میں تعلیم کتاب و حکمت کو الگ فریضۂ نبوت بتایا اور تلاوت آیات قرآنی کو مستقل بالذات فریضۂ نبوت بتایا۔"

قطع نظر اس کے کہ ہمارے نزدیک اس آیت کا مفہوم کیا ہے، مفتی صاحب کا یہ استنباط کہ تلاوت آیات

سے مراد بلا فہم تلاوت ہے اور فہم کے لیے تعلیم کتاب الگ سے فریضۂ نبوت ہے، اپنی حقیقت میں بے بنیاد استدلال ہے۔ مکرر کہنا پڑے گا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ عرب اپنی زبان میں نازل ہونے والے کلام مبین کو بلا فہم سنتے اور پھر اس کی تعلیم سے اس کو سمجھ پاتے تھے۔ وہ الفاظ سے اس کا مفہوم پا جاتے تھے، البتہ فہم مزید کے لیے مزید تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ ایسے ہی جیسے ہم اپنی زبان میں بھی جب کسی کتاب یا کلام کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو اس کے الفاظ کے معانی اور مفہوم کو پہلے مرحلے پر جان لیتے ہیں، پھر اس کے مزید گہرے مطالب اور فہم کے لیے وضاحتی بیانات پڑھتے یا سنتے ہیں۔ ہم عجمی لوگ قرآن مجید کو بھی اسی طرح سمجھنے کا آغاز کرتے ہیں۔ الفاظ سے معنی اور معنی سے مزید گہرے مفہوم کا سفر کرتے ہیں۔ بلا فہم تلاوت کا استنباط ''تلاوت آیات'' سے کرنا ہرگز درست نہیں، مگر مفتی صاحب اس رو میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے ایک اور افسوس ناک استنباط کر ڈالا ہے۔ یہی میرے اس مضمون کا آخری حصہ ہے جس کا ذکر پیش تر کیا تھا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''رہا یہ سوال کہ آیا معنی سے ناواقفیت کے باوجود تلاوت قرآن کریم دین کو مطلوب ہے اور یہ سعادت ہے، قرآن نے تلاوت کا ذکر بھی بطور مدح فرمایا: ''اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجیے مگر تھوڑا، آدھی رات تک یا اُس سے کچھ کم یا (اگر اس سے آپ کی طبیعت سیر نہ ہو تو) اس سے کچھ زیادہ کیجیے اور قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھیے، (المزمل ۷۳: ۱-۴)''۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ترتیل یعنی ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کا تعلق تلاوت سے ہے۔ نیز فرمایا: ''(کامل) مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اُن پر اُس کی آیات پڑھی جائیں تو اُن کے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں (الانفال ۸: ۲)''۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس کے بعد انھوں نے متعدد آیات قرآنی اور احادیث نقل فرما کر اپنے دعویٰ پر گویا شواہد پیش فرمائے ہیں۔

سورۂ مزمل کی یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتی ہیں۔ یہ نتیجہ نکالنا عقل و منطق کو قتل کیے بنا ممکن نہیں کہ کوئی شخص ایسا کلام بلا فہم بھی پڑھ سکتا ہے جو اس کی اپنی زبان میں ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی سے متعلق یہ گمان کرنا کہ آپ نماز تہجد میں بلا فہم تلاوت قرآن فرماتے تھے (نعوذ باللہ) بڑی کوتاہی کی بات ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ مفتی صاحب اپنی اس فروگذاشت سے رجوع فرمائیں گے۔ اگلی آیت جو مفتی صاحب نے نقل فرمائی، اس میں تو یہ بتایا جارہا ہے کہ مومنوں کے دلوں پر اللہ کے ذکر سے کیا اثر پڑتا ہے۔ پھر پوچھنا پڑے گا کہ وہ کون عرب تھے جو عربی کے الفاظ کا مفہوم جانے بغیر اتنی تاثیر لیا کرتے تھے؟ میرا تاثر ہے کہ ان آیات کو پڑھتے ہوئے مفتی صاحب کے سامنے آج کے دور کے عجمی سامعین ہیں، جب کہ ان

آیات میں نزول قرآن کے سامعین مذکور ہیں، ورنہ مفتی صاحب یہ معکوس استنباط ہر گز نہ فرماتے۔ ہمارے ہاں قرآن مجید کی محض تلاوت سن کر بھی سامعین کی سماعتوں کو سرور حاصل ہوتا ہے، مگر ان آیات کا اس کیفیت سرور سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا وہی مفہوم معتبر ہے جو اس کے نزول کے وقت سمجھا گیا، یعنی کلام مجید اپنے الفاظ اور مفہوم کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں وہ مطلوبہ تاثر، ایمان اور خدا پر بھروسا پیدا کرتا ہے جو انھیں کامل مومن بناتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کا مقصد اس میں موجود خدا کے پیغام کو انسانیت کو پہنچانا ہے۔ کلام اللہ کی اصل اس کا عربی متن ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ کلام اللہ کی حقیقی تاثیر اس کے متن کا اعجاز ہے۔ کثرت سے اس کی تلاوت تب ہی دلوں کے زنگ کو دور کرتی اور انسان کو خدا کا مطلوب بندہ بناتی ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ خدا بندے سے کیا فرما رہا ہے۔ اس کو بلا فہم پڑھنا اور حفظ کرنا اور پھر اسے کافی سمجھنا، اس عظیم کلام سے بے اعتنائی اور بے ادبی ہے۔ عہد رسالت میں قرآن مجید کا حفظ کرنا، انتظامی نوعیت کا معاملہ تھا۔ عرب لوگ اُمی، یعنی حروف ناآشنا تھے، ان کے لیے قرآن مجید کی تلاوت اور حفاظت کا طریقہ یہی تھا کہ اسے زبانی یاد کر لیں۔ حفظ قرآن کو مقصود بالذات سمجھنا اور اس کے بلا فہم تلاوت و حفظ کے ساتھ ان تمام بشارتوں کو منسلک کرنا جو تلاوت و حفظ قرآن کے لیے وارد ہوئی ہیں سوء فہم ہے۔ مسلم امت کی کثیر تعداد انھی بے بنیاد تاویلات کی بنا پر قرآن فہمی کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ قرآن مجید کے ساتھ یہ نادان دوستی قرآن مجید کے مقصد نزول کو عملاً معطل کرنے کی نامسعود کوشش ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org